آسان کہانیاں

افضل حسینؒ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط اللہ میاں کے نام

ایک بچہ تھا مُنا مُنا۔ بچے کا نام تھا اختر۔ اختر یتیم تھا۔ اس کے ابا مر گئے تھے۔ صرف اماں تھیں۔

ایک دن کی بات ہے اختر مدرسے گیا۔ مدرسے کے سب بچوں کے پاس پڑھنے لکھنے کا سامان تھا۔ اختر کے پاس کچھ نہیں تھا۔ سب کے کپڑے اچھے تھے۔ اختر کے کپڑے پھٹے پرانے تھے۔ اختر منھ بسورتا گھر پہونچا۔

امی نے روتی صورت دیکھی، پوچھا۔

"میرے لال! کیوں رو رہے ہو؟"

اختر بولا۔ "امی جان! سب کے ابا بڑے اچھے ہیں۔ اپنے بچوں کے لئے اچھے اچھے کپڑے بنوا دیتے ہیں۔

لکھنے پڑھنے کا سارا سامان لادیتے ہیں۔ ہمارے ابّا
کیوں نہیں بھیجتے ؟ آپ پتہ بتا دیں، میں ان کو خط لکھوں گا"
"بیٹا! وہ تو مر گئے" امّی نے جواب دیا۔
"تو پھر ہم کو کما کر کھلاتا کون ہے؟" اختر نے پوچھا۔
"ہم کو سب کچھ اللہ میاں دیتے ہیں" امّی نے کہا۔
اختر بولا "اچھا اللہ میاں کا پتہ بتا دو۔ میں ان کو
خط لکھ دوں"
امّی نے پتہ بتا دیا۔ اختر نے اللہ میاں کو خط لکھا۔

پیارے اللہ میاں! السّلام علیکم!
میرے پاس نہ تو کتابیں ہیں اور نہ قلم دوات۔ کپڑے بھی
پھٹ گئے ہیں۔ آپ میرے لئے یہ سب چیزیں بھیج دیں۔
ہمارے ابّا مر گئے۔ امی کہتی ہیں: ہم کو سب کچھ آپ دیتے
ہیں، آپ کو چھوڑ کر ہم کس سے مانگیں۔ فقط
آپ کا بندہ۔ اختر

اختر نے خط بند کیا اور لفافہ پر پتہ لکھا۔

بخدمت جناب اللہ میاں
مقام عرش
ملک آسمان
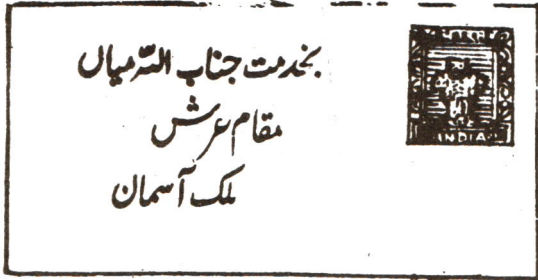
خط لے کر ڈاک خانے پہونچا۔ لیٹر بکس میں ڈالنا چاہا
سوراخ اوپر تھا۔ ہاتھ پہنچ نہ سکا
ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ایک بڑے
میاں آ رہے تھے۔ اختر نے ان
سے خط ڈالنے کے لئے کہا۔ بڑے
میاں نے خط ہاتھ میں لیا۔ پتہ دیکھا
پوچھا خط میں کیا لکھا ہے۔ اختر
نے بتایا۔ بڑے میاں اس
کے بھولے پن پر مسکرائے۔ گھر آئے۔ ایک
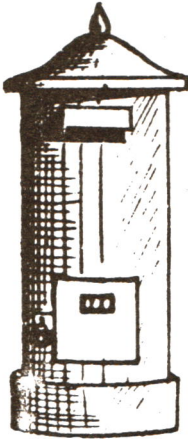
جوڑا کپڑا بنوایا۔ پڑھنے لکھنے کا سامان خریدا۔ تھوڑی سی مٹھائی لی، اور لے کر اختر کے گھر پہونچے۔ بولے "کیوں بیٹے اختر! تم نے اللہ میاں کو خط لکھا تھا۔ دیکھو اللہ میاں نے تمہارے لئے کتنی اچھی اچھی چیزیں بھیجی ہیں" اختر نے خوشی خوشی سب چیزیں لے لیں اور اللہ میاں کا شکر ادا کیا۔

ظفر اور قمر دونوں ساتھی تھے۔ ایک دن کی بات
ہے، ظفر گھر میں اکیلا تھا۔ امّی پڑوس میں ملنے گئی تھیں۔ قمر
دوڑا دوڑا آیا۔ بولا
آؤ ظفر! چلو گیند بلّا کھیلیں۔

ظفر کے پاس گیند بھی تھی بلّا بھی۔ بلّا کمرے کے کونے میں
رکھا تھا، گیند الماری پر۔ ظفر دوڑ کر بلّا لے آیا۔ بولا گیند
اوپر ہے۔ امّی ہیں نہیں، کس طرح اتاری جائے۔ پنجوں
کے بل کھڑے ہو کر ہاتھ لپکایا،

پہنچ نہ سکا۔ صحن سے دو اینٹیں اٹھا
لایا، تلے اوپر جمایا۔ اینٹوں پر کھڑا
ہوا۔ پھر بھی پہنچ نہ سکا۔ پاس ہی ایک تپائی تھی۔ دونوں لے
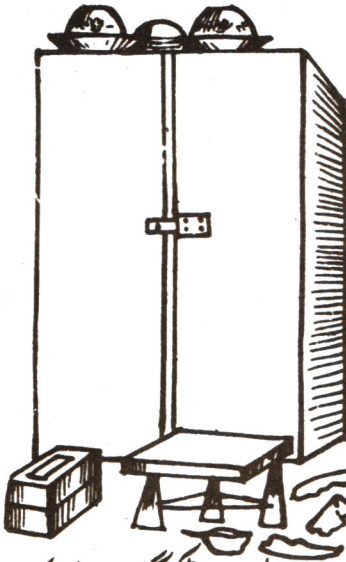
اٹھا لائے۔ اب بھی ہاتھ
نہ پہنچا۔ قمر بولا "ظفر! لو
بلّے سے لڑھکا کر نیچے
گرا دو۔"

ظفر نے ہاتھ میں بلّا لیا،
بلّا گیند تک پہنچ گیا۔ لڑھکایا
گیند نیچے آرہی۔ مگر الماری
پر چائے کی پیالیاں رکھی
تھیں۔ بلّا اچانک چائے کی ایک پیالی سے ٹکرا گیا۔ پیالی بھی
نیچے آرہی اور فرش پر گر کر ٹوٹ گئی۔ ظفر ہکّا بکّا کھڑا رہا۔ قمر نے
کہا دیکھتے کیا ہو۔ آؤ چپکے سے بھاگ چلیں۔ تمہاری امّی کو پتہ
بھی نہ چلے گا کہ پیالی کس نے توڑی۔ ظفر چپ چاپ کھڑا رہا
قمر پھر بولا "کیا شامت آئی ہے؟ پٹنے پر تلے کھڑے ہو۔
بھاگ کیوں نہیں چلتے؟"
ظفر بولا "میں تو نہیں جاتا۔ امّی نہ جانے کس پر شک

کریں۔ غلطی میری اور پٹ جائے دوسرا۔ یہ کتنی بڑی بات ہوگی۔

اتنے میں امّی آگئیں۔ دیکھا پیالی ٹوٹی ہوئی ہے اور ظفر میاں تپائی پر کھڑے آنسو بہار ہے ہیں۔ پیار سے بولیں "کیا ہوا بیٹے روتے کیوں ہو؟ تم نے جان بوجھ کر توڑی نہیں۔ ٹوٹ گئی تو کیا ہوا؟ اب آئندہ خیال رکھنا۔"

قمر چپکے سے سٹکنے والے تھے۔ مگر یہ دیکھنے کے لئے رُک گئے تھے کہ ابھی ظفر کو دو چار دھپ پڑیں گے۔ مگر وہاں تو کچھ بھی نہیں۔ امّی نے مارا نہیں اور ڈھارس بندھا دی۔
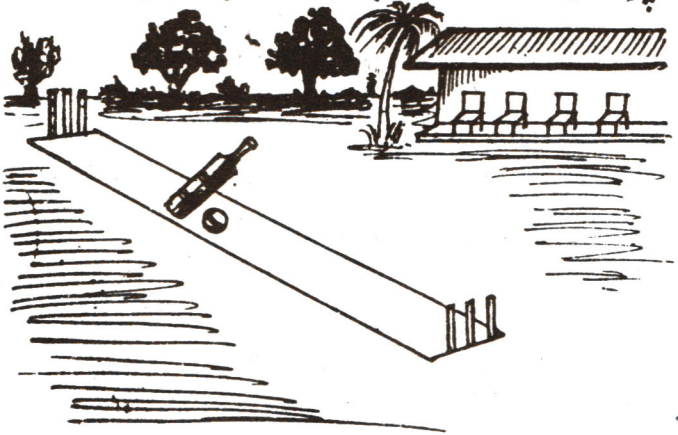
اِمتحان

امتحان ہونے والا تھا تمام بچّے خوب تیّار ہوکر آئے تھے۔ کتاب سب نے فرفر سنا دی۔ ماسٹر صاحب نے جو سوال پوچھا۔ جھٹ پٹ بتا دیا۔ کتاب کے ایک ایک لفظ کی ہجّے اور اِملا خوب دیکھ لیا تھا۔

اِملا کا امتحان ہونے لگا۔ ماسٹر صاحب نے تمام بچّوں کو آگے پیچھے بٹھا دیا۔ بچے جانتے تھے کہ اِملا لکھتے وقت ایک دوسرے کی نقل نہیں کی جاتی۔

قلم دوات ٹھیک کر کے بچّے اِملا لکھنے لگے۔ خدا کا کرنا مظہر لفظ "وارث" پر آکر اٹک گیا۔ اسے یاد نہ رہا کہ "وارث" میں "س" ہے یا "ث" سر اٹھا کر سوچنے لگا۔ آگے اصغر بیٹھا تھا۔ مظہر کی نظر اصغر کی تختی پر پڑی۔ اس نے "ث" سے لکھا

تھا۔ مظہر کو بھی یاد آگیا۔ اس نے جھٹ لکھ لیا۔ پھر سوچا، یہ امتحان کیا ہوا۔ میں نے تو اصغر کا دیکھ کر لکھا ہے۔ اس نے فوراً وہ لفظ کاٹ دیا۔

امتحان ختم ہوا۔ ماسٹر صاحب تمام تختیاں دیکھنے لگے بچّوں کو خوب نمبر دیئے۔ جب مظہر کی تختی دیکھی تو بولے "مظہر! تم نے "وارث" ٹھیک تو لکھا تھا۔ کاٹ کیوں دیا۔ اب تو تمہارے نمبر کٹ جائیں گے۔"

مظہر نے سارا ماجرا کہہ سُنایا۔ ماسٹر صاحب بہت خوش ہوئے۔ مظہر کو پورے نمبر دے دیئے۔
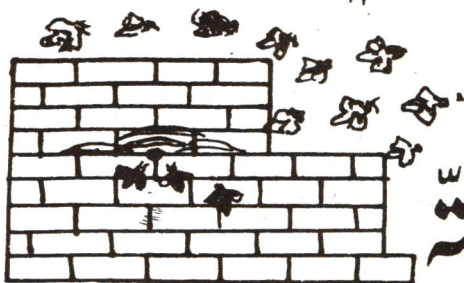
بھڑ کا چھتّہ

شفیق ایک نٹ کھٹ بچّہ ہے۔ شرارت اسے خوب سوجھتی ہے۔ نت نئی حرکت کرتا ہے۔

ایک دن کی بات ہے بچّوں کی ٹولی کے ساتھ کہیں کھیلنے جا رہا تھا۔ راہ میں ایک دیوار ملی۔ دیوار میں ایک چھید تھا۔ چھید میں بھڑوں کا چھتّہ تھا۔ شفیق کو شرارت سوجھی۔ اس نے ایک ڈھیلا اٹھایا اور چھتّے پر دے مارا۔ بچّے بھاگے شفیق بھی ان کے ساتھ بھاگا۔ خیر اس دن سب بچ گئے بھڑوں نے کچھ دور پیچھا کیا۔ پھر واپس لوٹ گئیں۔

ایک دن اُن سب کا گزر پھر اسی چھتّے کے پاس سے ہوا۔ سب بچ بچا کر جانے لگے۔ شفیق بولا:۔

"تم لوگ بڑے بزدل ہو، بھڑوں سے ڈرتے ہو۔"

ایک نے کہا بھڑوں کا چھتّہ چھیڑنا یا سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالنا، یہ کہاں کی بہادری ہے۔ یہ تو نادانی ہے۔ بہادری کھیل کے میدان یا اکھاڑے میں دکھائی جاتی ہے۔

شفیق بھلا کب مانتا۔ وہ تو چھتّہ چھیڑنا بہادری سمجھتا تھا۔ لکڑی کا ایک ٹکڑا لیا اور چھتّے میں ڈال کر خوب چھیڑا۔ بچّے دُور سے کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ بہت سی بھڑیں چھتّے سے نکل کر شفیق کو چمٹ گئیں۔ چہرے اور سر پر خوب خوب ڈنک مارے۔ شفیق روتا چلّاتا بھاگا۔

کچھ دیر بعد اس کا چہرہ سوج کر کُپّا ہو گیا۔ بچّے چڑانے لگے شفیق بھائی! گال میں کتنے لڈّو بھر رکھے ہیں۔"

شفیق کی اب یہی چڑ ہو گئی۔ جب چھتّہ ملتا ہے تو بچّے کہتے ہیں:۔

"شفیق بھائی! ذرا بہادری کے کرتب دکھاؤ۔" شفیق شرما جاتا ہے۔ اس دن سے شفیق نے پھر کبھی چھتّہ نہ چھیڑا

چھٹی

ایک مدرسے میں بہت سے بچے پڑھتے تھے۔ ایک بار چھٹی ہوئی۔ پورے دو دن کی۔ پانچ چھ بچوں نے طے کیا

"کل دس بجے امرود کھانے چلیں گے۔ شہر کے باہر امرود کے باغ ہیں۔"

دوسرے دن دس بجے ٹولی تیار ہوئی۔ باغ پہنچ گئی۔ مالی کو پیسے دیئے۔ بہت سے امرود لئے۔ چاقو سے کاٹ کر کھانے لگے۔ مزے مزے کے امرود تھے۔ خوب پیٹ بھر کھائے۔ کھا چکے تو سب نے چاقو بند کر کے رکھ دیئے اور اِدھر اُدھر کھیلنے لگے۔

محمود لاپروا تھا۔ کھلا چاقو وہیں چھوڑ دیا۔ کھیل کھیل میں

پیڑ پر چڑھا۔ ڈالی کمزور تھی۔ ٹوٹی تو محمود نیچے گرے۔ چاقو پر ہاتھ پڑا۔ ہاتھ کٹ گیا۔ بہت بڑا زخم ہو گیا۔ ترتر خون ٹپکنے لگا۔

بچے گھبرا گئے۔ کسی نے زخم پر ہاتھ رکھ کر خون روکنا چاہا کسی نے اپنا رومال لپیٹ دیا۔ مگر خون نہ رکا۔ برابر نکلتا رہا محمود بے ہوش ہو گیا۔

بچے محمود کو اُٹھا کر اسپتال لائے۔ ڈاکٹر نے مرہم پٹی کی بولا "رگ کٹ گئی ہے۔ زخم ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر خون بہت نکل گیا ہے اسی لئے بے ہوش ہے۔ باہر سے خون پہنچانا ہو گا۔ نہیں تو جان کا خطرہ ہے۔"

"خون کہاں سے ملے گا؟" بچوں نے پوچھا۔

ڈاکٹر بولے "اگر تم سب اپنا تھوڑا تھوڑا خون دے دو

تو کام بن جائے۔

بچّوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"ہم سب تیّار ہیں آپ ہمارا خون نکال لیں۔ محمود کی جان کسی طرح بچ جائے۔"

ڈاکٹر نے آلہ لگا کر سب کا خون نکالا۔ بچّوں نے خوشی خوشی اپنا خون دیا۔ ڈاکٹر نے سوئی لگا کر محمود کے جسم میں خون پہونچایا۔ محمود نے آنکھیں کھول دیں۔ بچّوں کی جان میں جان آئی خوشی خوشی سب گھر لوٹے۔
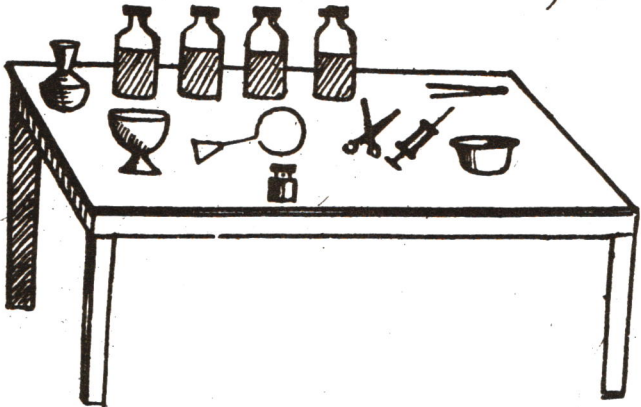
چڑیا کا بچّہ

بلقیس، برجیس دو بہنیں تھیں۔ ابھی دونوں ننھّی منّی تھیں۔
ایک دن کی بات ہے، دونوں صحن میں کھیل رہی تھیں۔ اچانک چڑیا کا ایک بچّہ صحن میں آگرا۔ برجیس نے دوڑ کر پکڑ لیا۔
بولی "میں تو اس کے پیر میں دھاگا باندھوں گی۔ پھر دھاگا پکڑ کر خوب اڑاؤں گی۔"

اتنے میں بہت سی چڑیاں اکٹھی ہوگئیں۔ چوں چوں چلانے لگیں۔ بچّہ برجیس کے ہاتھ میں چپ سادھے کانپ رہا تھا۔
بلقیس نے دیکھا دوڑی ہوئی آئی بولی۔

"چھی چھی! تم بے چاری کو تنگ کر رہی ہو! دیکھو اس کی ماں چوں چوں کر رہی ہے۔ یہ وہی گوریّا تو ہے جس نے ہماری چھت میں گھونسلا بنایا تھا۔ اب تک بچّے ننھّے مُنّے تھے۔ اڑنا جانتے نہ تھے

اب اس کی امّی اڑنا سکھا رہی ہیں تو تم پیر میں دھاگا باندھوگی۔ اس کے بھی تو ہماری طرح جان ہے۔ تمہارے پیر میں اگر رسّی باندھ کر کھینچا جائے تو کتنا دکھ ہوگا اور امّی تمہارے لیے کتنی بے چین ہوں گی۔

میری بنّو! اسے چھوڑ دو۔"

پر جبیں نہ مانی۔ بلقیس کے سمجھانے پر بھی وہ اُڑی رہی۔ بلقیس نے صحن کی دیوار سے لگا کر ایک چارپائی کھڑی کی۔ پر جبیں کے ہاتھ سے بچّہ چھین لیا۔ چارپائی کی مدد سے اوپر چڑھ گئی اور بچّے کو دیوار کی منڈیر پر رکھ آئی۔

چڑیوں نے چوں چوں کرنا بند کر دیا۔ اپنے مُنّے کو پھر سے اڑا لے گئیں۔ پر جبیں اپنا سا منھ لے کر رہ گئی۔

روپیے کی تھیلی
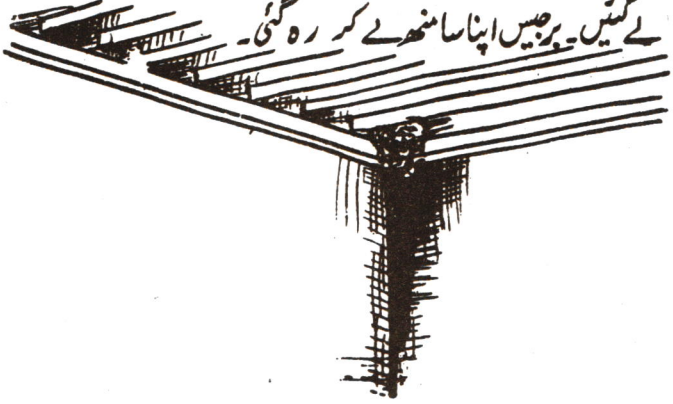
ننھّے منّے دو بھائی تھے۔ دونوں ایک مدرسے میں پڑھتے تھے۔ ایک دن کی بات ہے، مدرسے کی چھٹّی ہوئی۔ دونوں نے اپنے بستے لئے، گھر کو روانہ ہوئے۔ ہنستے کھیلتے جا رہے تھے۔ اچانک ننھّے کی نظر ایک منی بیگ پر پڑی۔ منی بیگ بیچ راہ میں پڑا تھا۔ ننھّے نے دوڑ کر اٹھا لیا بولا۔
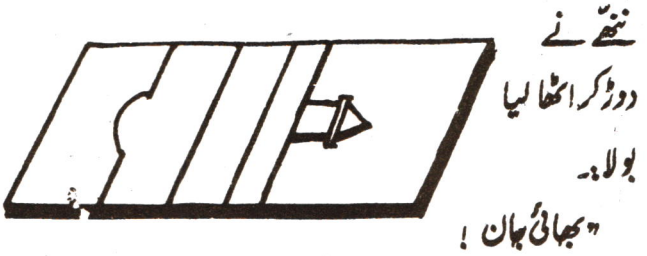
"بھائی جان! نہ جانے کس کا ہے؟ اس میں تو روپیے رکھے جاتے ہیں۔"

منّے نے منی بیگ لے لیا۔ کھول کر دیکھا۔ اس میں

کئی خانے تھے۔ کسی میں نوٹ رکھے تھے۔ کسی میں روپے پیسے، ایک خانے میں ایک تصویر تھی تصویر کی پشت پر لکھا تھا۔

من موہن۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی ہیڈ ماسٹر۔ ڈی۔ اے۔ وی۔ اسکول

پتہ دیکھا دونوں سمجھ گئے۔ ہو نہ ہو یہ بیگ انہی کا ہے۔ مُنّے نے کہا:-

"میں نے ڈی۔ اے۔ وی اسکول دیکھا ہے۔ یہ ہمارے راستے میں پڑتا ہے۔ چلیں ان کا پتہ لگا کر دے آئیں۔ وہ بیچارے بہت پریشان ہوں گے۔"

دونوں ڈی۔ اے۔ وی اسکول پہونچے۔ چپراسی سے پتہ پوچھا۔ پہلے تو اس نے بتانے سے انکار کیا۔ مگر جب آنے کا سبب بتایا تو چپراسی انہیں ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس

لے گیا۔ منی بیگ ہیڈ ماسٹر صاحب ہی کا تھا۔ بچّوں کی ایمان داری سے وہ بہت خوش ہوئے۔ دونوں کی بڑی تعریف کی۔ مٹھائی کے لئے پیسے دینے لگے۔ مگر دونوں نے پیسے لینے سے انکار کر دیا۔
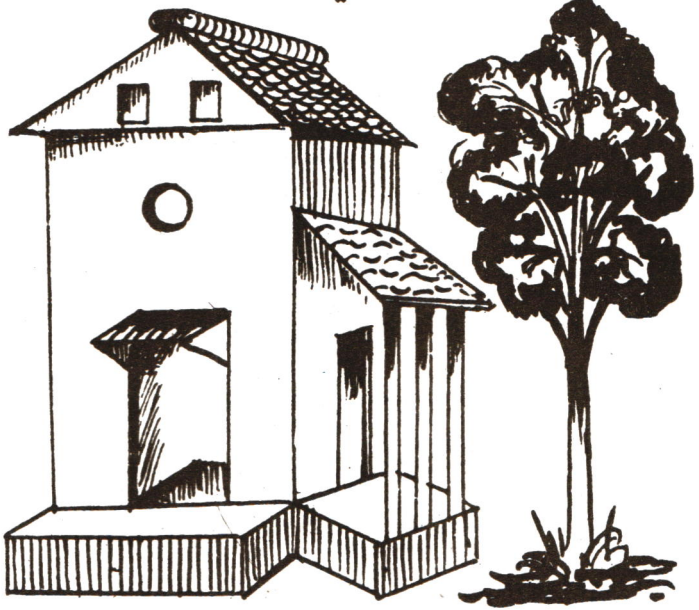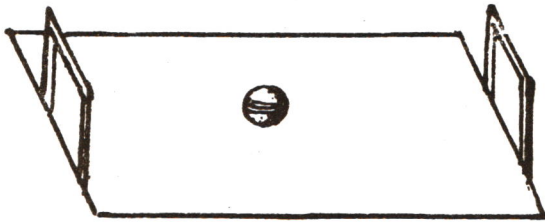
میچ

بچّوں کی دو ٹولیوں میں میچ تھا۔ بڑے زوروں کی گیند کھیلی جا رہی تھی۔ تمام بچّے کوشش کر رہے تھے کہ اپنی طرف گول ہونے سے بچائیں۔ اور دوسری ٹولی کی طرف گول کر دیں۔ گیند کے لئے طے تھا کہ پَیر سے بڑھائی جائے گی۔ گول پر کھڑے ہونے والے کے سوا اور کسی کو ہاتھ سے گیند چھونے کی اجازت نہ تھی۔ اگر غلطی سے کسی اور کا ہاتھ گیند سے چھو جاتا تو فوراً داؤں لے لیا جاتا۔ بڑی دیر تک کھیل ہوتا رہا۔ برابر کا جوڑ تھا۔ نہ یہ ہارے نہ وہ۔

کھلاڑیوں میں ایک بچّے کا نام سعید تھا۔ سعید بڑی بہادری سے کھیل رہا تھا۔ میچ کی وجہ سے ہر بچّے میں جوش تھا مگر سعید میں سب سے زیادہ تھا۔ وہ پوری کوشش

کر رہا تھا کہ اپنی طرف گول نہ ہونے دے اور دوسری ٹولی ہار جائے۔

اللہ کا کرنا ایک بار گیند بڑی تیزی سے سعید کی ٹولی کی طرف بڑھی۔ سعید دوڑ کر روک رہا تھا۔ گیند گول کے قریب پہنچ گئی تھی۔ سعید نے ہر طرح گول بچانے کی کوشش کی بہادری کے خوب خوب کرتب دکھائے۔ مگر آن جانے میں گیند اس کے ہاتھ سے چھو گئی۔ سب بچّے کھیل میں لگے تھے۔ کچھ گول کرنے کی فکر میں کچھ گول بچانے کی فکر میں۔ گیند کو ہاتھ لگتے کسی نے نہیں دیکھا۔ گول کے پاس داؤں ملنے کا مطلب یہ تھا کہ گول یقینی ہے۔ سعید کو خیال آیا کہ اگر بتاتا ہوں تو گول ہوا جاتا ہے اور ہماری ٹولی ہار جاتی ہے۔ نہ بتاؤں تو بے ایمانی ہو گی۔

آخر وہ ہار جیت کی پروا کیے بغیر چلّا اٹھا "گیند میرے ہاتھ سے چھو گئی آپ لوگ داؤں لے لیں"

دوسری ٹولی کے بچّوں نے گول کے پاس داؤں لیا۔ ایک

اچھے کھلاڑی نے ایسی چوٹ لگائی کہ گیند سیدھی گول میں پہونچی کوشش کے باوجود سعید کی ٹولی ہار گئی۔

کھیل ختم ہوا۔ سعید کی ٹولی کے بچّوں نے سعید کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا۔ بولے "تم نے بتایا نہ ہوتا تو آج ہم نہ ہارتے بتانے کی ضرورت کیا تھی۔ کون دیکھنے گیا تھا۔ اس دن کبڈی کے میچ میں بھی تم نے جھٹ کہہ دیا تھا کہ ہاں میرے جسم سے اس کا ہاتھ چھو گیا۔ حالانکہ ہم لوگ قائل کر رہے گئے تھے کہ نہیں چھو گیا ہے۔

سعید بولا "تم لوگ بھی عجیب لڑکے ہو۔ تمہارا مطلب یہ ہے کہ جیتنے کے لئے میں بے ایمانی کرتا یا جھوٹ بولتا۔ چھی چھی! ہار جیت کے لئے اتنا بڑا پاپ میں کیوں کرنے لگا۔ بہادری سے کھیلنا اور بات ہے۔ میں نے کھیلنے میں تو کوتاہی نہیں کی۔ بے ایمانی کر کے جیتنا بہادری نہیں بزدلی ہے"۔

سعید کی بات سُن کر تمام بچے شرمندہ ہو گئے۔ ملامت

کرنے کے بجائے اب سب سعید کی تعریف
کرنے لگے۔
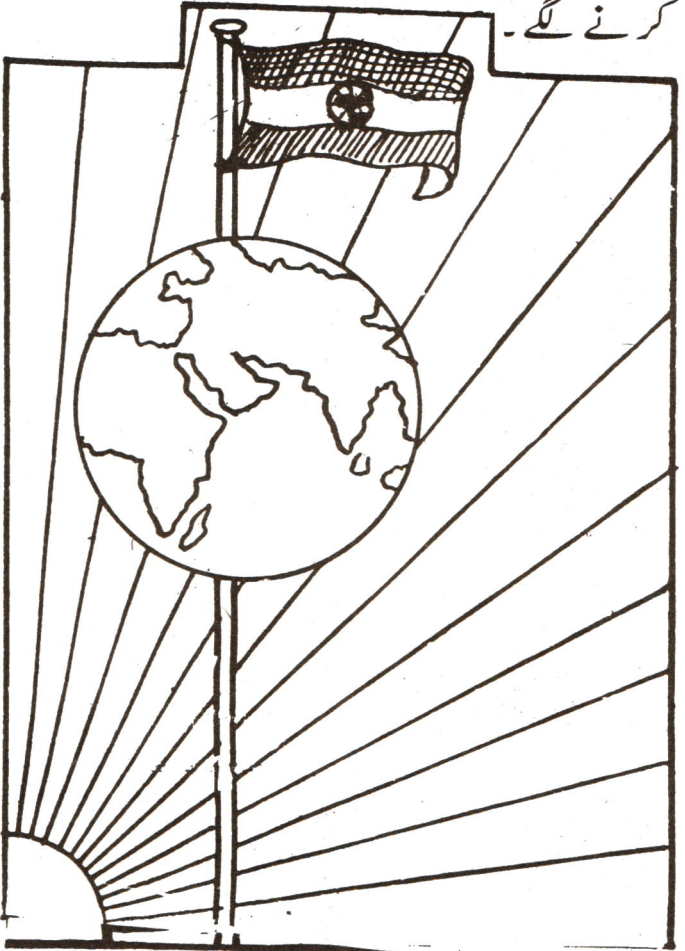
ہمارے پڑوس میں ایک داروغہ جی رہتے ہیں۔ ان کے گھر ایک کتّا پلا ہے۔ داروغہ جی کتّے کو بہت پیار کرتے ہیں۔ کہیں جانے لگتے ہیں تو کتّا بھی پیچھے ہو لیتا ہے۔

کتّا رات بھر پہرہ دیتا ہے۔ گھر کے چاروں طرف دوڑتا پھرتا ہے۔ ہر دم بھوں بھوں کرتا ہے۔ ہر آنے والے پر بھونکتا ہے۔

دن میں زیادہ تر سوتا ہے۔ اکثر بیچ راہ میں پڑا

رہتا ہے۔ مسجد جاؤ تو ملتا ہے مدرسے
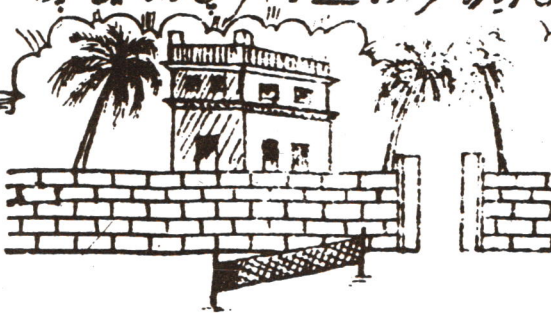
جاؤ تو ملتا ہے۔

ایک دن کی بات ہے، میں مدرسے سے لوٹ رہا تھا۔ کتے کو دیکھا بیچ راہ میں پڑا تھا۔ میں نے کہا "کیوں جی! میں جب اِدھر سے گزرتا ہوں، تمہیں یہیں پڑا دیکھتا ہوں۔ صبح مدرسے جا رہا تھا تب تم یہیں پڑے تھے۔ اس وقت لوٹا تو تم یہیں ملے۔ آخر تم دن بھر یہاں کیوں پڑے رہتے ہو؟"

کتے نے دُم ہلائی۔ میرا پیر چاٹنے کے لئے آگے بڑھا۔ میں ذرا پیچھے ہٹ گیا اور کہا "دیکھو دور سے بات کرو۔ تم نجس جانور ہو۔ میرے کپڑے پلید ہو جائیں گے۔ تمہارا لعاب ناپاک ہے۔ ناپاک کپڑوں میں میری نماز کیسے ہو گی۔؟"

کتا وہیں رک گیا بولا "میاں سنو، میں یہاں بے کار نہیں پڑا رہتا۔ پڑے پڑے بڑا کام کرتا ہوں۔"

میں پرکھتا رہتا ہوں کہ میرے محلّہ میں کون کون بچّے بھلے ہیں اور کون بُرے۔

"وہ کیسے ؟" میں نے جھٹ پوچھا۔

کتّے نے کہا "جو بچّے اچھے ہوتے ہیں وہ تو اپنی راہ چلے جاتے ہیں۔ مجھے بالکل نہیں چھیڑتے۔ مگر بُرے بچّے بلا وجہ چھیڑتے ہیں۔ کبھی میری دُم پر پیر رکھ دیتے ہیں۔ کبھی دُور ہی سے ڈھیلے پھینکتے ہیں۔ اپنے محلّے کے بچّے ہیں، اس لئے میں معاف کر دیتا ہوں۔ اگر یونہی چھیڑتے رہے تو ایک دن کاٹ کھاؤں گا۔ پھر چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔

"اچھا یہ تو بتاؤ تم نے مجھے کیسا پایا ـــــ ؟" میں نے پوچھا۔

"تم تو بہت بھلے مانس ہو" کتّے نے جواب دیا۔ تم روز اِدھر سے گزرتے ہو۔ کبھی مدرسے کبھی مسجد کبھی بازار۔ مگر مجھ کو کبھی نہیں چھیڑتے۔ اپنے کام سے کام رکھتے ہو۔ راستہ کاٹ کر نکل جاتے ہو"

مَیں اپنے بارے میں اُس کی یہ رائے سُن کر بہت خوش ہوا۔
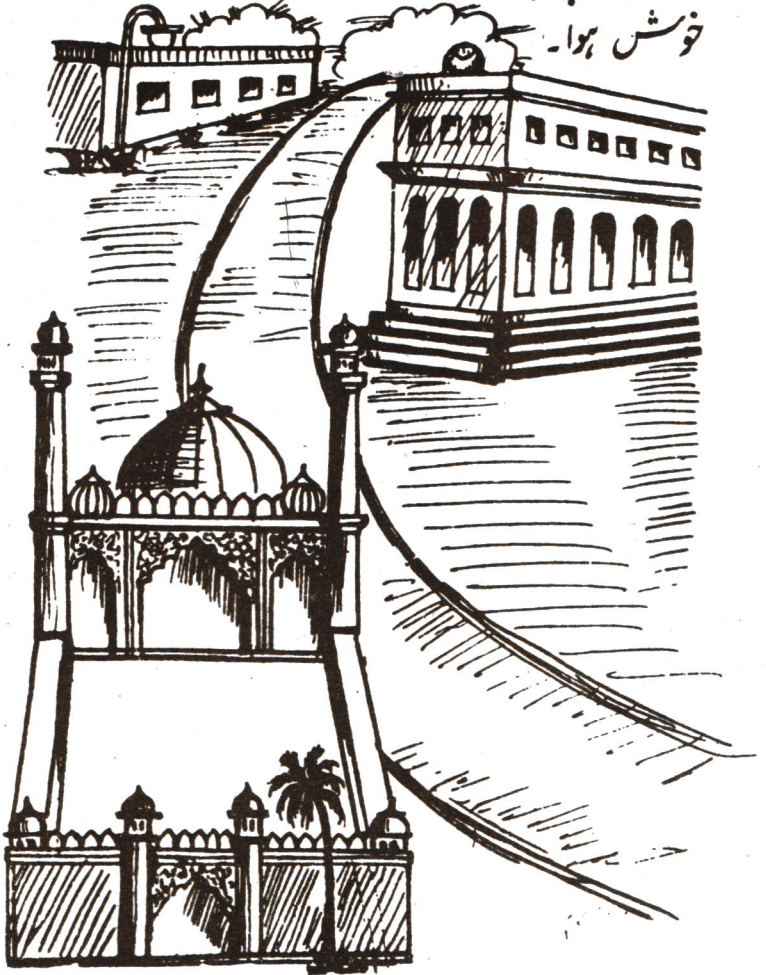
چڑی مار

ایک چڑی مار نے ایک چڑیا پکڑی ۔ چڑیا تھی تو ننھی منّی
مگر تھی بہت چالاک ۔ چڑی مار سے کہنے لگی:۔
میاں چڑی مار ! مجھے مار کر تم کیا پاؤ گے ؟ ننھّی سی جان!
بس ایک بوٹی گوشت ۔ اس سے تمہارا پیٹ کب بھرے
گا۔ تم مجھے چھوڑ دو تو میں تین باتیں ایسے گُر کی بتاؤں ــــــ
کہ مان لو تو بہت بڑے آدمی بن جاؤ ۔"
چڑی مار تیار ہو گیا۔ چڑیا نے کہا " پہلی بات تو تمہارے
ہاتھ پر بیٹھ کر بتاؤں گی ۔ دوسری دیوار پر پہنچ کر اور تیسری بات
اس وقت بتاؤں گی جب اڑ کر پیڑ پر جا بیٹھوں ۔
چڑی مار نے اسے چھوڑ دیا، چڑیا اُڑ کر اس کے ہاتھ پر
آ بیٹھی اور بولی " اَن ہونی بات کا کبھی یقین نہ کرنا "

یہ کہہ کر چڑیا پھُر سے اُڑی اور دیوار پر جا بیٹھی بولی:۔

" دوسری بات یہ کہ جو چیز ہاتھ سے جاتی رہے اس کا غم نہ کرنا"

یہ کہہ کر چڑیا دیوار سے اُڑی پیڑ پر جا بیٹھی۔ تھوڑی دیر چوں چوں کیا۔ پھر ذرا پھریری لی اور کہنے لگی:۔

" میاں چڑی مار! تیسری بات بتانے سے پہلے میں تمہیں ایک عجیب بات سناتی ہوں۔

" میرے پیٹ میں ایک بڑا سا لعل ہے تم پاتے تو مالا مال ہو جاتے"

یہ سُن کر چڑی مار بہت پچھتایا۔ ہائے ہائے کرنے لگا۔ چڑیا نے اس کو روتے دیکھا تو بولی۔ "کیوں جی! ابھی مَیں نے تمہیں سمجھایا ہے کہ اَن ہوئی بات کا یقین نہ کرنا۔ میری چھوٹی سی چونچ ہے۔ مَیں بڑا سا لعل کیسے نگل سکتی ہوں۔ دوسرے مَیں تمہارے ہاتھ تو آنے سے رہی پھر تمہارا پچھتانا اور رونا کیسا؟ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ جو چیز ہاتھ سے جاتی رہے اس کا غم نہ کرنا"

چڑی مار کو اپنی بھول پر شرم آئی۔ بولا " مجھ سے غلطی ہوئی اچھا اب تیسری بات بتاؤ۔"

چڑیا بولی " تم نے میری پہلی دو باتوں پر کب عمل کیا جو تیسری بھی بتا دوں۔ ایسے نادان کو اچھی بات بتانے سے کیا فائدہ جو اس پر عمل نہ کرے۔" یہ کہہ کر چڑیا پھُر سے اُڑی اور آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔